إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

تار کا پتہ الفضل قادیان

الفضل

قادیان

ایڈیٹر:- غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.
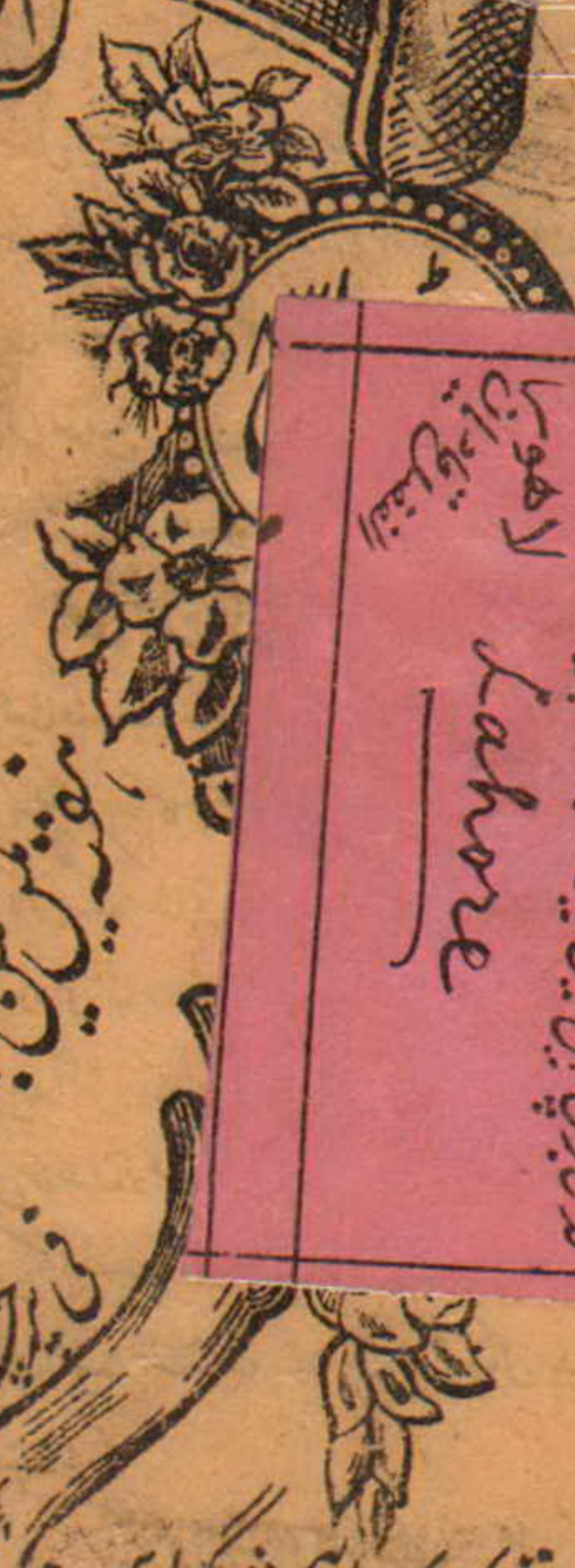
قیمت سالانہ پیشگی بیرون ہند ۱۳ روپیہ

قیمت سالانہ پیشگی اندرون ہند ۱۰ روپیہ

نمبر ۲۸	۱۱ جمادی الاول سنہ ۱۳۵۲ھ	یوم یکشنبہ	مطابق ۳ ستمبر سنہ ۱۹۳۳ء	جلد ۲۱

فہرست مضامین

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بی اے کی انگلستان کو روانگی ۔ صہ ۲

کتاب "موتیوں کی لڑی" کے متعلق اعلان

حضرت مسیح موعودؑ کی تاریخ پیدائش ۔ صہ ۳

خطبہ جمعہ ۔ زندگی حاصل کرنے کیلئے موت کا پیالہ پینا ضروری ہے ۔ صہ ۵

اخبار "پرکاش" کے نامعقول اعتراضات ۔ صہ ۸

مسلمانان کشمیر کو ایک اہم مشورہ ۔ صہ ۱۰

وصیتیں ۔ صہ ۱۱

خبریں ۔ صہ ۱۲

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق ۲۸ اگست کی اطلاع جو ۳۱ کو موصول ہوئی ۔ مظہر ہے کہ حضور کی صحت اللہ تعالےٰ کے فضل سے پہلے کی نسبت اچھی ہے ۔ ۲۸ تاریخ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے ساتھ حضور ۵ میل تک بذریعہ موٹر تشریف لے گئے ۔ اور دعا کے بعد رخصت فرمایا ؛

شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر مدیر معاون الفضل کے ہاں ۲۶ اگست لڑکا پیدا ہوا ۔ خدا تعالےٰ مبارک کرے ؛

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کا عجیب عقیدہ

(فرمودہ ۳ ۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء)

"تعجب ہی ہے ۔ ان لوگوں نے مسیح کی نسبت یہ عقیدہ رکھا ہوا ہے ۔ کہ وہ مردے زندہ کیا کرتا تھا ۔ اور بعض پرندوں کا خالق بھی تھا ۔ عالم الغیب ۔ اور شافی بھی تھا ۔ اور پھر یہ بھی مانتے ہیں ۔ کہ وہ صاف آسمان پر چلا گیا ۔ ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے ۔ کہ اس کی موت کی خبر اور پیش گوئی کہاں ہے ۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے ۔ کہ خدا تعالےٰ مسیح سے پوچھے گا ۔ کہ کیا تو نے کہا تھا ۔ کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالو ۔ حضرت مسیح اس سے اپنی بریت کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ کہ میں نے نہیں کہا ۔ اور پھر یہ کہتے ہیں ۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم ۔ لیکن اب ہم پوچھتے ہیں کہ جبکہ حضرت مسیح کو قیامت سے پہلے آسمان سے اُترنا تھا ۔ تو پھر قیامت میں ان کا یہ جواب تو "دروغ گویم برروئے تو" کا مصداق ہوتا ہے ۔ ان کو چاہیئے تھا ۔ کہ وہ یہ کہتے ۔ کہ یا اللہ تو نہیں جانتا کہ میں چالیس برس تک خنزیروں کو مارتا رہا ہوں ۔ اور صلیبوں کو توڑتا رہا ہوں ۔ فلاں کافر مارا ۔ فلاں مشرک قتل کیا ۔ فلاں صلیب پرست کا سر قلم کیا ۔ یہ جواب ان کو تو دینا چاہیئے تھا ۔ اب جو اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں ۔ تو ہمارے مخالف بتائیں ۔ کہ کیا جھوٹ بولتے ہیں" ۔

(الحکم ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۲ء)

صاحبزادہ میرزا مظفر احمد صاحب بی اے کی انگلستان کو روانگی

صاحبزادہ میرزا مظفر احمد صاحب بی۔اے۔خلف حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ترقی تعلیم کی غرض سے ۳۰ اگست ۴ بجے کی ٹرین سے انگلستان روانہ ہوئے۔اگرچہ روانگی سے ایک گھنٹہ پیشتر شدید بارش شروع ہو گئی۔اور رستہ کی خرابی و موسلا دھار مینہ کی وجہ سے اکثر لوگ الوداع کہنے کے لئے سٹیشن پر نہ جاسکے۔تاہم ایک معقول تعداد جو اڑھائی تین سو نفوس پر مشتمل ہو گی۔سٹیشن پر پہونچ گئی۔حضرت مولانا شیر علی صاحب مقامی امیر اور دیگر معززین جماعت بھی اپنے عزیز کے بخیر و عافیت پہونچنے اور کامیاب واپسی کی دُعا کرنے کے لئے سٹیشن پر تشریف رکھتے تھے:۔

روانگی سے پیشتر صاحبزادہ صاحب موصوف کے ساتھ احباب نے مصافحہ کیا۔ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی گئی۔ بعد ازاں تکبیر کے نعروں میں گاڑی روانہ ہوئی:۔

ہم عزیز موصوف کے متعلق ؎

بسفر رفتنت مبارک باد بسلامت روی و باز آئی

کہتے ہوئے جماعت سے درخواست کرتے ہیں۔کہ وُہ بھی اس دعا میں شریک ہو۔

کتاب "موتیوں کی لڑی" کے متعلق اعلان

گزشتہ پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک اعلان کتاب "موتیوں کی لڑی" کے متعلق شائع ہو چکا ہے۔اسی سلسلہ میں مزید گزارش ہے کہ جن اصحاب کو اس کتاب کے متعلق حضور کے نام سے یا جناب ناظر صاحب دعوت و تبلیغ کے نام سے جعلی خطوط پہونچے ہوں۔وُہ فوراً ایسے خطوط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں بھیجدیں اور سلیمان احمد جلد ساز دارالکتب قادیان کیطرف سے بھیجا ہوا کوئی وی۔پی وصول نہ کریں:۔

مزید ضرورتِ امداد

حیدرآباد سندھ کے صرف تین چار احمدی تبلیغ و اشاعت احمدیت کے لئے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں۔ اور ٹریکٹوں کا نہایت مفید سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔اس کے لئے اعلان کیا گیا تھا کہ اگر دس روپے ماہوار ان کی امداد کا احباب انتظام کر دیں۔تو تبلیغی کام بہت عمدگی سے ہو سکتا ہے۔اس پر جناب محمد حسین سعید صاحب وکیل تیماپور نے پانچ روپے ماہوار تین ماہ تک دینے کا وعدہ کیا ہے۔اگر اسی طرح دو تین اور دوست توجہ فرمائیں تو یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔پتہ بابو عطاءاللہ صاحب پوسٹل کلرک حیدرآباد سندھ نائب مہتمم تبلیغ ہے:۔ ناظر دعوت و تبلیغ قادیان

معاونین الفضل میں اپنا نام لکھائیے

اخبار الفضل نمبر ۲۱ کے صفحہ ۲۔پر معاونین الفضل کے نام چھپے ہیں۔آپ بھی الفضل کے لئے کم از کم خریدار بہم پہونچا کر اپنا نام اس فہرست میں درج کرالیں۔اور بزرگانِ ملت کی دعاؤں سے حصہ لیں۔ (مینیجر الفضل۔قادیان)

طلباء کیلئے ضروری اعلان

تعطیلات کے بعد سکول میں واپس آنے والے طلباء جو کنسیشن ٹکٹ سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔اپنے اپنے نام مع جماعت اور جس سٹیشن سے سوار ہونا ہو۔جلد سے جلد (دو چار روز کے اندر اندر) خاکسار کے نام بھجوا دیں۔تا کہ ان کے لئے کنسیشن بنوانے کا انتظام کیا جائے۔نام پتہ جس پر کنسیشن بھجوائے جانے ہوں۔صاف اور صحیح لکھا جائے۔نیز اس کے لئے ضروری ہے۔کہ کم از کم چار طلباء اکٹھے ایک سٹیشن سے سفر کرنے والے ہوں۔خاکسار رشید احمد ارشد۔انچارج ٹی آئی۔ہائی سکول۔قادیان:۔

مناظرہ شملہ

جیسا کہ الفضل مورخہ ۲۹ اگست میں شائع ہو چکا ہے۔شملہ میں ۲۷ اگست کو غیر احمدیوں سے مناظرہ ہوا۔جس میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہمیں کھلا کھلا غلبہ حاصل ہوا۔پہلے مولانا جلال الدین صاحب شمس نے وفات مسیح پر مناظرہ کیا۔پھر ختم نبوت اور صداقت مسیح موعودؑ پر مولوی محمد سلیم صاحب نے مباحثہ کیا۔احمدی مقررین کی تقاریر نہایت مؤثر اور طرز استدلال نہایت عام فہم تھا۔جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔اور غیر مسلم اصحاب نے نہ صرف اس بات کا کھلا کھلا اعتراف کیا۔کہ احمدیوں کے دلائل نہایت پختہ اور عمدہ تھے۔اور اُن کو ایک کھلی فتح حاصل ہوئی ہے۔بلکہ ہمارے مبلغین کے عمدہ اخلاق سے بھی سب پر عمدہ اثر ہوا۔غیر احمدی مناظر حسب مشہور مثل "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے ماتحت گندہ دہنی پر اُتر آتا رہا۔

(بقیہ صفحہ ۴)

جس کی طرف آئینہ کمالات اسلام حصہ عربی صفحہ ۵۴۳ میں اشارہ کیا گیا ہے۔اور غالباً سنہ ۳۴-۱۸۳۳ء میں رنجیت سنگھ نے اپنے مرنے سے ۵ سال پہلے قادیان کے ارد گرد کے ۵۔گاؤں ان کی جدی جاگیر کے انہیں واپس کر دیئے۔ اس وقت تک وُہ رنجیت سنگھ کی فوج میں نمایاں خدمات بھی کر چکے تھے۔ اور ان کا حق بھی ایک طرح دوبارہ قائم ہو گیا تھا۔پس اس حساب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش سنہ ۳۴-۱۸۳۳ء کے قریب ماننی پڑے گی:۔

مخالفین کی شہادت

اب دیکھنا چاہیئے۔کہ آپ کے مخالفین آپ کی عمر کے متعلق کیا کچھ کہتے ہیں۔لیکھرام کا جو حوالہ سید احمد علی صاحب نے درج کیا ہے۔اس کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش سنہ ۱۸۳۶ء بنتی ہے۔اور مولوی ثناءاللہ صاحب کے حوالوں سے سنہ ۱۸۲۹ء اور سنہ ۱۸۳۳ء پیدائش کے سن نکلتے ہیں۔لیکن میرے نزدیک ان سے بڑھ کر جس مخالف کو علم ہونا چاہیئے۔ وُہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں۔جن کو بچپن سے ہی آپ سے ملنے کا موقعہ ملتا رہا ہے ان کے اشاعت السنہ سنہ ۱۸۹۳ء کے حوالہ سے آپ کی پیدائش سنہ ۱۸۳۰ء کے قریب بنتی ہے۔

صحیح سن ولادت

غرض سنہ ۱۸۳۶ء انتہائی حد ہے۔اس کے بعد کا کوئی سن ولادت تجویز نہیں کیا جاسکتا۔بحیثیت مجموعی زیادہ تر میلان سنہ ۱۸۳۳ء اور سنہ ۱۸۳۴ء کی طرف معلوم ہوتا ہے۔کیونکہ شرف مکالمہ مخاطبہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ معین ہیں۔اور یہ واقعی ایک اہم واقعہ ہے۔جس پر تاریخ پیدائش کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے سنہ ۱۲۹۰ ہجری ایک معین تاریخ ہے۔اور اس حساب سے سنہ ۱۸۳۳ء کی پیدائش ثابت ہوتی ہے۔دُوسرا اہم واقعہ آپ کے والد ماجد کے انتقال کا ہے۔ انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت کے متعلق کی جو رائے ہو۔وُہ بھی زیادہ وزن دار سمجھنی چاہیئے۔سو اس کے متعلق آپ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں کہ والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔اور اپنے والد صاحب کی وفات سنہ ۱۸۷۴ء میں متعین فرمادی۔خلاصہ میرے نزدیک یہ نکلا۔کہ سنہ ۳۴-۱۸۳۳ء صحیح سن ولادت قرار دیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الفضل

نمبر ۲۸ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ | جلد ۲۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے مبلغ انگلستان کا حسب ذیل مضمون اپنے ان الفاظ کے ساتھ اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے:۔

"مکرمی مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے مبلغ لنڈن نے ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر اور تاریخ پیدائش کی تعیین کے متعلق لنڈن سے ارسال فرمایا۔ مجھے درد صاحب نے اجازت دی ہے۔ کہ اگر مناسب ہو۔ تو مضمون میں تبدیلی کر لی جائے لیکن چونکہ مضمون بہت محنت اور تحقیق کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ اور ایسے تحقیقی مضامین میں رائے کا اختلاف چنداں قابل لحاظ نہیں ہوتا اس لئے باوجود اس مضمون کے بعض حصص سے اختلاف رکھنے کے میں اسے بغیر کسی تبدیلی کے آپ کی خدمت میں بغرض اشاعت ارسال کرتا ہوں"۔

ذیل میں مذکورہ بالا مضمون شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:۔ (ایڈیٹر)

"الفضل" مورخہ ۱۱۔ جون ۳۳ء اور ۱۸۔ جون ۳۳ء میں سید احمد علی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق بہت سے مفید حوالے جمع کئے ہیں۔ اور مکرمی مولوی اللہ دتا صاحب نے اپنی کتاب "تفہیمات ربانیہ" میں صفحہ ۱۰۰ سے ۱۱۲ تک آپ کی عمر کے متعلق عالمانہ بحث کی ہے لیکن دونوں صاحبوں نے دراصل مخالفین کے اعتراضات کو مدنظر رکھا ہے۔ سید صاحب نے "اہلحدیث" مجریہ ۲۶ رمئی ۳۳ء اور مولوی صاحب نے عشرۂ کاملہ کا جواب دیا ہے۔ میرے نزدیک آپ کی عمر کا سوال ایسا ہے کہ اسے مستقل حیثیت سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے:۔

عمر کے متعلق الہامات

الہام ثمانین حولاً او قریباً من ذالک او تزید علیہ سنینا وتری نسلاً بعیداً (اربعین نمبر ۳۔ طبع دوم صفحہ ۳۶ ۔ اور ضمیمہ تحفہ گولڑویہ طبع دوم صفحہ ۲۹) اور الہام وتری نسلاً بعیداً ولنحیینک حیوۃ طیبۃ ثمانین حولاً او قریباً من ذالک (ازالہ اوہام حصہ دوم طبع اول صفحہ ۶۳۴ و ۶۳۵) کا مطلب حضرت مسیح موعودؑ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرما دیا ہے:۔

"جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں۔ وہ تو ۷۴ اور ۸۶ کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷)

پس اگر آپ کی عمر شمسی یا قمری حساب سے اس کے اندر اندر ثابت ہو جائے۔ تو یہ الہامات پورے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کی پیدائش ۱۸۳۶ء و ۱۸۲۲ء کے اندر ثابت ہو جائے۔ تو کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا:۔

تاریخ پیدائش کا تعیّن

یقیناً ہماری طرف سے جو کچھ اس بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ آپ کے الہامات پورے ہو گئے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا تعین ایک بالکل الگ سوال ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان الہامی حدود کے اندر اندر بحیثیت مجموعی آپ کی تاریخ پیدائش کہاں تک معین کی جا سکتی ہے:۔

تاریخ پیدائش کے فیصلہ کا طریق

یہ یقینی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہ تھی۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالےٰ کو معلوم ہے" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳)

اسی طرح غالباً ایک جگہ یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ ہمارے پاس کوئی یادداشت نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں بچوں کی عمر کے لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا۔ ایسی صورت میں اصل تاریخ پیدائش کا فیصلہ دو ہی طرح ہو سکتا ہے۔ یا تو کسی کے پاس کوئی ایسی مستند تحریر مل جائے جس میں تاریخ پرانے زمانہ کی لکھی ہوئی ہو۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مخالفین کی تحریرات پر یکجائی نظر ڈال کر دیکھا جائے۔ کہ زیادہ میلان کس سن کی طرف ہے:۔

قابل غور امور

پیشتر اس کے کہ مختلف تحریرات پر اس طرح نظر ڈالی جائے۔ دو تین امور قابل غور ہیں۔ اور وہ یہ کہ میرے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجۂ ذیل تحریر سے "مجھے دکھلاؤ۔ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب ۶۴ سال کے" (اعجاز احمدی صفحہ ۳) یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ چونکہ آتھم ۲۷۔ جولائی ۱۸۹۶ء کو مرا تھا (انجام آتھم صفحہ ۱) اس لئے آپ کی عمر ۶۷ سال ہوئی۔ درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جس رنگ میں اپنی عمر آتھم کے برابر ظاہر کی ہے۔ وہ ایسا نہیں۔ کہ صرف ایک حوالہ کو لے کر نتیجہ نکال لیا جائے۔ آتھم کے مقابلہ میں جس امر پر آپ زور دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ

"ہم دونوں پر قانون قدرت یکساں مؤثر ہے" (اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء) پھر فرماتے ہیں "ہم اور آتھم صاحب ایک ہی قانون قدرت کے نیچے ہیں" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ) عمر کے متعلق جو وضاحت فرمائی ہے۔ وہ اس طرح ہے:۔

"اگر آتھم صاحب ۶۴ برس کے ہیں۔ تو عاجز قریباً ۶۰ برس کا ہے"

(اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۴ء)

پھر فرماتے ہیں "اور بار بار کہتے ہیں (آتھم صاحب) کہ میری عمر قریب ۶۴ یا ۶۸ برس کی ہے .... دیکھو میری عمر بھی تو قریب ساٹھ برس کے ہے" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ)

پھر فرماتے ہیں "آپ لکھتے ہیں کہ قریب ستر برس کی میری عمر آگئی ہے اور پہلے آپ اس سے اسی سال کے کسی پرچہ "نور افشاں" میں چھپا چکے ہیں کہ آپ کی عمر ۶۴ برس کے قریب ہے۔ پس میں متعجب ہوں۔ کہ اس ذکر سے کیا فائدہ۔ کیا آپ عمر کے لحاظ سے ڈرتے ہیں۔ کہ شائد میں فوت نہ ہو جاؤں۔ مگر آپ نہیں سوچتے۔ کہ بجز ارادۂ قادر مطلق کوئی فوت نہیں ہو سکتا ..... اگر آپ ۶۴ برس کے ہیں۔ تو میری عمر بھی قریباً ۶۰ کے ہو چکی" (اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ مورخہ ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء)

پس ان واضح تحریروں کے ہوتے ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر آتھم کے بالکل برابر نہیں قرار دی جا سکتی۔ بلکہ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:۔

"بہتیرے سو سو برس زندہ رہتے ہیں۔ مگر عبداللہ آتھم کی جیسا کہ نور افشاں میں لکھا گیا ہے۔ صرف اب تک ۶۴ برس کی عمر ہے۔ جو میری عمر سے صرف ۶ یا سات برس ہی زیادہ ہے۔ ہاں اگر مسیح کی قدرت پر بھروسہ نہیں رہا .... مرنے کا قانون قدرت ہر ایک کے لئے مساوی ہے۔ جیسا آتھم صاحب اس کے نیچے ہیں۔ ہم بھی اس سے باہر نہیں۔ جیسا کہ اس عالم کون و فساد کے اسباب ان کی زندگی پر اثر کر رہے ہیں۔ ویسا ہی ہماری زندگی پر بھی مؤثر ہیں" (انوار الاسلام حاشیہ صفحہ ۳۶۔۳۷)

پس میں سمجھتا ہوں۔ کہ آتھم کے مقابلہ میں جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک موٹا دعاوی کا اندازہ ہے۔ اصل غرض آپ کی عمر کا تعین نہیں۔ بلکہ یہ واضح کرنا ہے۔

ے۔ سید احمد علی صاحب نے انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جو اس طرح ہے "آتھم کی عمر قریباً میرے برابر تھی" پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۰۶ پہ فرمایا "کہلش کان فی عمر وسن"

کہ زندہ رکھنا اور مارنا خدا کے اختیار میں ہے۔ اور قانون قدرت کے اثر کے لحاظ سے دونوں کی عمروں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔

دُوسرا امر جو قابلِ غور ہے۔ وُہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد مقامات پر یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ "جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف فرمایا" (تریاق القلوب صفحہ ۶۸ و براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۵۔ اور آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۸) لیکن جہاں تک مجھے علم ہے۔ آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ "پہلا الہام قریباً ۳۵ برس سے ہو چکا ہے"۔ یہ اندازہ لگانا کہ چونکہ اربعین ۱۹۰۰ء میں تالیف ہُوئی۔ اس لئے آپ کی پیدائش ۱۸۲۵ء میں ثابت ہُوئی۔ درست نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ثمانین حولاً والا الہام سب سے پہلا الہام ہے۔ اور نہ یہ کہ سب سے پہلا الہام چالیس برس کی عمر میں ہُوا۔

تیسرا امر یہ ہے۔ کہ ایک کتاب کی کسی عبارت کو اس کتاب کی تاریخ اشاعت سے ملا کر نتیجہ نکالتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عبارت کے لکھے جانے کی تاریخ اور کتاب کی تاریخ اشاعت میں بہت بڑا فرق ممکن ہے۔ مثلاً نزول المسیح اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ لیکن اس کا صفحہ ۱۱۷۔ اگست ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا۔ جیسا کہ اس صفحہ پر لکھا ہے۔ "آج تک جو ۱۰۔ اگست ۱۹۰۲ء ہے"۔ البتہ اشتہارات اور ماہواری رسائل کی صورت اور ہے۔ ان کی تاریخ اشاعت پر نتیجہ نکالنے میں غلطی کا کم احتمال ہے۔ حقیقۃ الوحی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۲۰۱ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "میری عمر اس وقت ۶۸ سال کی ہے"۔ یہاں ظاہر ہے کہ لفظ "اس وقت" سے کتاب کی تاریخ اشاعت فرض کرنا نہایت غلط ہوگا۔ کیونکہ اشاعت کی تاریخ ۱۵۔ مئی ۱۹۰۷ء کتاب پر لکھی ہوئی ہے۔

چوتھی بات قابلِ غور یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر شمسی حساب مدِ نظر رکھتے تھے۔ یا قمری۔ سو اس کے متعلق جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ عام طور پر آپ کا طریق اپنی تصانیف۔ اشتہارات اور خطوط میں ملک کے رواج کے مطابق شمسی حساب اور تاریخ کا شمار تھا۔ گو قمری سن بھی کہیں کہیں درج کیا گیا ہے۔ مگر کثرت سے عموماً شمسی طریق کو ہی آپ مدِ نظر رکھتے تھے۔ اس لئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عمر کا اندازہ بیان فرمایا ہے۔ وہاں شمسی سال ہی مراد لئے جائیں گے۔ قمری نہیں۔ خواہ کہیں کہیں قمری سن بھی آپ نے بیان فرما دیا ہو۔

۱۸۳۳ء

اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ بحیثیت مجموعی آپ کی تاریخ پیدائش کہاں تک معین کی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ "جب میری عمر ۴۰ برس تک پہنچی۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف فرمایا"۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ "ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پا چکا تھا"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) گویا کہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کی عمر چالیس برس ہو چکی تھی۔ آپ کی وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ گویا قمری حساب سے پورے ۳۶ برس آپ شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے ممتاز رہے۔ شمسی حساب سے ۳۵ سال۔ اس طرح آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۳۳ء ثابت ہوئی۔

۱۸۳۵ء

ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "میری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے"۔ یہ کتاب اندرونی شہادت سے ثابت ہے۔ کہ ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی (سید احمد علی صاحب نے جو حوالہ اس ضمن میں دیا ہے۔ وُہ درست نہیں۔ گو دوسرے مقامات سے یہ ثابت ہے) اس لئے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۳۵ء معلوم ہوئی۔

ریویو بابت نومبر دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۷۹ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "میری عمر ۷۰ سال کے قریب ہے۔ حالانکہ ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے"۔

اسی طرح تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۱ پر فرماتے ہیں: "میری طرف سے ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہُوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے۔ کہ میں عمر میں ۷۰ برس کے قریب ہوں۔ اور ڈوئی جیسا کہ وُہ بیان کرتا ہے۔ پچاس برس کا جوان ہے"۔

ان دونوں حوالوں سے نتیجہ نکالتے وقت ایک تیسرا حوالہ بھی جو اسی کے متعلق ہے۔ مگر کچھ پہلے کا ہے۔ مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اور وُہ یہ ہے۔ "میری عمر غالباً ۶۶ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے"۔ (ریویو اردو ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴۶) اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ "۷۰ برس کے قریب" سے مراد آپ کی یہ ہے۔ کہ "۶۶ سال سے کچھ زیادہ"۔ اگر اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال سمجھی جائے۔ تو تاریخ پیدائش ۱۸۳۵ء بنی۔

۱۸۳۴ء

کتاب البریہ سے جو عبارت سیرۃ المہدی حصہ اول میں نقل کی گئی ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گزری۔ ایک طرف ان کا دُنیا سے اٹھایا جانا۔ اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہُوا"۔

اس سے معلوم ہُوا۔ کہ والد بزرگوار کے انتقال کے وقت آپ کی عمر چالیس برس کے قریب تھی۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ سلسلہ مکالمات الٰہیہ کے شرف کے وقت آپ نے اپنی عمر متعدد مقامات پر چالیس برس بیان فرمائی ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ آپ کے والد ماجد کی وفات کب ہوئی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی تصنیف سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۵۰ پر آپ کے والد بزرگوار کے انتقال کو ۱۸۷۶ء میں قرار دیا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر فیصلہ کُن ہے۔ اور وُہ یہ ہے۔ کہ نزول المسیح صفحہ ۱۱۷-۱۱۸ پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ "آج تک جو دس اگست ۱۹۰۲ء ہے۔ مرزا صاحب مرحوم کے انتقال کو ۲۸ برس ہو چکے ہیں"۔ گویا کہ یہ واقعہ ۱۸۷۴ء کا ہے۔ اس میں سے ۴۰ نکالیں۔ تو تاریخ پیدائش ۱۸۳۴ء ثابت ہوتی ہے۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پر یکجائی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کی پیدائش ۱۸۳۶ء سے پہلے پہلے ہی ہے اس کے بعد یا ۱۸۳۹ء کسی صورت میں بھی صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تاریخی شہادتیں

کتاب البریہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ "میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے۔ کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا"۔ اسی طرح آئینہ کمالاتِ اسلام کے عربی حصہ صفحہ ۵۴۳-۵۴۴ پر بھی آپ یہی فرماتے ہیں"۔ سو اس کے متعلق تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ۱۸۱۸ء کے قریب "جب رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کو زیر کر کے ان کا تمام علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا تھا یعنی قادیان رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آ گیا تھا"۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۱) اور پنجاب چیفس میں لکھا ہے۔ کہ "رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا۔ غلام مرتضےٰ کو قادیان واپس بلا لیا۔ اور اس کی جدی جاگیر کا ایک معقول حصہ اسے واپس کر دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہو گیا۔ اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابلِ قدر خدمات سر انجام دیں"۔ اس سے معلوم ہُوا۔ کہ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کشمیر کی فتح کے وقت رنجیت سنگھ کی فوج میں شامل تھے۔ کشمیر ۱۸۱۹ء میں فتح ہُوا۔ اس لئے معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ گو مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم قادیان میں واپس آ گئے تھے۔ مگر قادیان کے ارد گرد کے گاؤں ابھی تک نہیں ملے تھے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے۔ اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے ۵ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اسی عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ اور لاہور سے لے کر پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا"۔ (کتاب البریہ ([illegible])

پشاور ۱۸۲۳ء میں رنجیت سنگھ کے ماتحت آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں مصائب کا سلسلہ گو ختم ہو گیا تھا۔ مگر ابھی فراخی نہیں شروع ہوئی تھی۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کو اکثر فوجی خدمات پر باہر رہنا پڑتا ہوگا۔ اور گھر کا گزارہ تنگی ترشی سے ہوتا ہوگا۔ حتیٰ کہ غالباً ۱۸۳۳ء کے قریب انہوں نے کشمیر جانے کا ارادہ کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خطبہ جمعہ

زندگی حاصل کرنے کیلئے موت کا پیالہ پینا ضروری ہے

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۲۵ اگست ۱۹۳۳ء بمقام پالم پور

تشہد و تحمید کے بعد فرمایا:۔

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں ایک قوم کے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ وہ اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکلے۔ انہوں نے چاہا۔ کہ وہ زندگی حاصل کریں۔ انکی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں جو تدبیر بتائی۔ وہ یہ تھی۔ کہ تم

اپنے لئے موت

اختیار کرو۔

ایک ایسی قوم جو موت سے بچنے کے لئے گھر سے نکلی۔ اسے قدرتی طور پر یہ علاج عجیب نظر آیا۔ وہ لوگ حیران ہوئے۔ اور ہونا چاہیئے تھا۔ جنہوں نے اپنا وطن خواہ اختیار کردہ ہی ہو۔ املاک خواہ تھوڑے ہی ہوں۔ اپنی عزت یا رتبہ خواہ قلیل ہی ہو۔ اپنے جلیس۔ ہم صحبت۔ دوست اور ملک جس کی وہ زبان سمجھتے تھے۔ جہاں کے لوگ ان کی دیانت اور وہ ان کی دیانت سے واقف تھے۔ سب کچھ چھوڑ دیا۔ صرف اس لئے کہ انہیں

زندگی ملے

اور وہ موت سے بچیں۔ وہ ایک ایسے ملک کی طرف چلے گئے۔ جہاں کی زبان وہ نہیں جانتے تھے۔ ان کی وہاں کوئی جائداد نہیں تھی۔ وہاں کے لوگ ان کی دیانت اور یہ ان کی دیانت سے واقف نہ تھے۔ جہاں کے لوگوں کی نگاہ میں انکے چھوٹے بڑے میں کوئی تمیز نہ تھی۔ ان تمام دقتوں کو برداشت کرتے ہوئے جنگل بیابان میں۔ غیر معروف جگہ پر۔ ناواقف قوم میں چلے جانا معمولی قربانی نہ تھی۔ اور یہ قربانی صرف اس لئے کی گئی تھی۔ کہ انہیں جان بہت پیاری تھی۔ ورنہ وہ اس ملک کو چھوڑتے ہی کیوں؟ مگر وہ جب وہاں پہنچے۔ تو خدا تعالےٰ سے انہوں نے سوال کیا۔ کہ وہ

زندگی کہاں ہے

اللہ تعالےٰ نے فرمایا موت قبول کرو۔ پھر تم زندہ ہو جاؤ گے۔ وہ حیران ہوئے۔ کیونکہ جو پیالہ فرعون انہیں پلا رہا تھا۔ وہی اللہ تعالےٰ نے انہیں دیا۔ فرعون نے فیصلہ کیا تھا۔ تم مر جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم خدا تعالےٰ سے فریاد کریں گے لیکن جب انہوں نے خدا تعالےٰ سے فریاد کی۔ تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ کہ مر جاؤ۔ انہیں دونوں جگہوں سے

موت کا پیالہ

ہی ملا۔ وہ حیران تھے۔ کہ فرعون کو دوست سمجھیں یا خدا تعالےٰ کو دشمن۔ فرعون انہیں زندہ کرنا چاہتا تھا۔ یا خدا تعالےٰ مارنا۔ کیونکہ دونوں پیالوں پر موت لکھی ہوئی تھی۔ وہ گھبرائے ان میں سے

کمزوروں نے کہا

ہم تو موت سے بچنے کے لئے آئے تھے۔ اگر یہی پیالہ ہمیں پینا ہوتا۔ تو وہیں کیوں نہ پی لیتے۔ اتنی تکالیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم اس پیالہ کو پینے کے لئے تیار نہیں۔ ہم سے دھوکا کیا گیا ہے۔ اگر موت ہی ہمیں ملنی تھی۔ تو کیوں ہم سے

زندگی کا وعدہ

کیا گیا تھا۔ اتنی امیدیں دلانے کے بعد ہمیں قوم میں کیوں شرمندہ کرایا۔ وہ ہنسیں گے۔ کہ بیوقوف موت سے بھاگے تھے۔ وہاں بھی موت ہی نصیب ہوئی۔ وہ اس مشکل کو حل نہ کر سکے۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے کمزوروں نے کہا۔ کہ ہم یہ پیالہ پینے کے لئے تیار نہیں۔ عزت کی زندگی جس کا ہم سے وعدہ تھا۔ وہ ہمیں دو یہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم

تھی۔ فرعون انہیں تباہ کرنا چاہتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا۔ تمہارے سب لڑکے مارے جائیں گے۔ لازماً لڑکیاں غیروں سے بیاہی جائیں گی۔ تمہاری نسل مٹ جائے گی۔ اور غیروں کی نسل جاری رہے گی۔ تم اس موت سے بچو۔ اور ذلت کی زندگی برداشت نہ کرو۔ خدا نے تمہیں بتایا ہے۔ کہ

حیات کا پیالہ

تمہارے لئے کنعان کی زمین میں تیار ہے۔ انہوں نے گھر بار چھوڑا مال جو اٹھایا نہ گیا۔ وہیں چھوڑا۔ عزت سے ہاتھ دھوئے ایک باقاعدہ حکومت کا آرام کھویا۔ وہ نکلے اور چل پڑے۔ قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وھم الوفٌ وہ

چند ہزار

تھے۔ ان میں سے بہت سی عورتیں بچے بھی ہوں گے۔ عام طور پر قریباً پانچواں حصہ بالغ مرد ہوتے ہیں۔ پھر ان میں کچھ بوڑھے بھی ہوں گے۔ متمدن اقوام میں سے چھ فیصدی مرد جنگ کے قابل ہوتے ہیں۔ اور غیر متمدن قوموں میں سے سولہ فیصدی۔ اگر وہ پچاس ہزار بھی ہوں۔ تو ان میں سے زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار

لڑائی کے قابل مرد

ہوں گے۔ وہ بھی ناتجربہ کار۔ پتھیر سے بھلا کیا جانیں۔ کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا لاؤ۔ جو تم نے وعدہ کیا تھا۔ ایک

زبردست قوم

کے لوگ جن کے چہرے خون سے بھرے ہوئے تھے۔ جنہیں اگر دائیں طرف عرب کے جنگجوؤں سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ تو بائیں طرف یونانیوں سے

تہذیب کے گہوارہ

میں پلی ہوئی تین قوموں۔ یونانیوں۔ ایرانیوں اور مصریوں سے انہیں واسطہ پڑتا۔ وہ تینوں کے طریق کار سے واقف تھے۔ وہ خود بھی مہذب اور بڑے بڑے شہروں میں رہنے والے تھے۔ اور بنی اسرائیل سے قریباً دس گنے زیادہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ قوم دکھا کر اپنی قوم سے کہا۔ کہ اس قوم کو مار دو۔ پھر حکومت تمہارے ہاتھ میں آجائے گی۔

بنی اسرائیل پر حیرت

کا اظہار کرنا آسان ہے۔ لیکن ذرا سوچو۔ تمہارا ایک دوست تمہاری دعوت کرے۔ وقت مقررہ پر وہ آ کر تمہیں بلا لے جائے۔ جب وہ بازار میں پہنچے۔ تو ایک بڑے ہوٹل میں چلا جائے۔ جہاں ہر ایک چیز پانچ چھ گنا زیادہ قیمت پر ملتی ہے۔ اور کہے۔ کہ یہ ہوٹل ہے۔ اس پر آپ آٹھ دس روپیہ خرچ کر کے کھانا کھا سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک ایسا مکان بھی ہے۔ جہاں سے کھانوں کی خوشبو آرہی ہے۔ آپ اندر گھس جائیں۔ ان کے منہ سے چھوڑ دیں۔ اور کھانا لے لیں۔ اس جواب کو سن کر تمہاری حالت کیا ہوگی۔

تم اس کو

ذلیل کرنے والا تمسخر

خیال کرو گے۔ اور اس دوست سے ناراض ہو جاؤ گے۔ شاید تم میں سے جوشیلے ایسے دوست پر حملہ ہی کر بیٹھیں۔ یہی حالت یہاں ہے سینکڑوں میل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اس وعدہ پر کہ وہاں انہیں بادشاہت ملے گی۔ لائے۔ مگر وہاں پہنچ کر انہیں کہدیا۔ کہ اس قوم کو مار دو۔ اور ان سے حکومت چھین لو۔ اس جہالت کو دیکھ کر جو بنی اسرائیل میں اس وقت پھیلی ہوئی تھی۔ خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اس جواب پر سر پیٹ لیا ہوگا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ کہ تم نے وعدے کیا کئے تھے۔ اور اب کہہ کیا رہے ہو۔ وہ کہتے ہوں گے۔ وہیں ہمیں کیوں نہ کہہ دیا۔ کہ فرعون کا سر اڑا دو۔ اور حکومت چھین لو۔ وہاں پر تو ہم کر بھی سکتے تھے۔ کیونکہ ہمارے آدمی فرعون کے گھروں میں کام کرتے تھے۔ وزراء ہمارے واقف تھے۔ اور کئی سہولتیں ہمیں میسر تھیں۔ لیکن یہاں پر زبان اور ہے۔ اس لئے ہم جاسوسی بھی تو نہیں کر سکتے۔ وہ ذرائع ہمیں یہاں میسر نہیں۔ ان لوگوں کو مارنا بھلا کونسا آسان کام تھا۔ کہ تم ہمیں وہاں سے نکال لائے۔ اور یہاں آکر کہدیا۔ کہ ان کو مار دو۔ اور

ملک پر قبضہ

کر لو۔

یہ

خدا کا وعدہ

تھا۔ لیکن خدا انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ورنہ اس سے ہی جھگڑا کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نظر آتے تھے۔ بظاہر حالات انہوں نے شرافت سے کام لیا۔ ورنہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حملہ آور ہوتے۔ کہ تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا۔ بائیبل میں ذکر ہے۔ کہ وہ رو رو کے بیٹے اور بچیوں کی طرح لوٹھ گئے۔

قرآن کریم فرماتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اے موسیٰ! اذھب انت و ربک فقاتلا۔ انا ھٰھنا قاعدون ہمارے مدمقابل ایک

تجربہ کار جنگجو قوم

ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی ہم سے زیادہ ہیں۔ وہ اپنے وطن میں ہیں۔ اور راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کا تعاقب کیسے کریں۔ وہ

محفوظ قلعوں میں

ہیں۔ اور ہم جنگلوں میں۔ تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کہ ہمیں بادشاہت دو گے۔ اس لئے ہم تو ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ اور یہیں بیٹھے رہینگے تم اور تمہارا خدا جاؤ۔ اور ملک فتح کر کے ہمیں دیدو۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے غداری کی۔ انہوں نے ان سے ایک وعدہ کیا تھا۔ جسے لفظاً پورا نہیں کیا۔ وہ بھی مولوی ثناء اللہ صاحب کی قسم کے لوگوں کی طرح ان سے اس

وعدہ کے لفظی ایفا کا مطالبہ

کرتے ہیں۔ ایک ظاہر بین کی نگاہ میں یہ مطالبہ بالکل معقول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم اس واقعہ کو ایک اور نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو اس کی شکل ہی بدل جاتی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مکہ کی فتح

پر انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے انصار کیا تم نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ اور مال غنیمت مہاجرین میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور ہم میں سے ایک نوجوان نے نادانی سے ایسا کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہم نے بے در پایا۔ ہم نے اسے اپنے گھروں میں جگہ دی۔ اس کے بھائی اس کے خون کے پیاسے تھے۔ ہم اس کے آگے پیچھے لڑے۔ دنیا میں اس کی بات کوئی سنتا نہ تھا۔ ہم نے لوگوں تک اس کا پیغام پہنچایا۔ پھر جب فتح ہوئی۔ تو اس نے مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ لیکن تم یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں قرب الہیٰ حاصل کرایا۔ تقوےٰ دیا۔ خدا کی محبت دی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے

فضل و نصرت

سے اسے فتح دی۔ اور خدائی نوجوں نے مکہ فتح کیا۔ مکہ اس کا پیدائشی مقام تھا۔ اور مہاجرین کا وطن انہیں توقع تھی۔ کہ مکہ فتح کر کے وہ اپنے گھروں پر قبضہ کریں گے۔ مگر مکہ والے چند اونٹ لے گئے۔ اور ہم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے آئے۔

یہی

دونوں رخ

یہاں ہیں۔ اگر حکومت کے رنگ میں کوئی تغیر خدا تعالےٰ کو منظور نہیں تھا تو اسے بھلا اس سے کیا تھا۔ کہ حضرت موسیٰ بادشاہ ہوں۔ یا فرعون مصر بنو لاوی کا ہو یا بنی اسرائیل کا۔ اگر وہ ایسی ہی حکومت پسند کرتا جیسی فرعون کی تھی۔ تو فرعون سے حکومت چھین کر بنی اسرائیل کو کیوں دینا چاہتا۔ خدا تعالےٰ تو ایسی قوم کو بادشاہت دینا چاہتا تھا۔ جو اخلاق کی

خوشنما حکومت

قائم کرتی۔ خدا تعالےٰ بنی اسرائیل کو ایک ایسی زندگی نہیں دینا چاہتا تھا۔ جو ختم ہو جاتی۔ ایسی زندگی تو چار بھی دیتا ہے۔ جبکہ وہ بچہ پیدا کرتا ہے لیکن خدا انہیں ایسی زندگی دینا چاہتا تھا۔ جو کوئی اور نہیں دے سکتا تھا۔ خدا تعالےٰ انہیں اخلاق فاضلہ کی

ہمیشہ کی زندگی

دینا چاہتا تھا۔ جو فرعون انہیں نہیں دے سکتا تھا۔ اور ایسی زندگی بغیر تربیت اور قربانی کی عادت کے انہیں نہیں مل سکتی تھی۔ خدا تم انہیں

ایک تازہ نشان

کے ساتھ زندہ کرنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک دس دس کے مقابل میں کھڑا ہوتا۔ پھر خدا ان کو فتح دیتا۔ تو وہ ایک زندہ نشان دیکھتے جس سے ان کی اصلاح ہوتی۔ اور اس طرح ان کو حقیقی زندگی ملتی۔ گویا پیالے دونوں موت کے تھے۔ لیکن فرعون کے پیالہ میں شربت بھی موت کا تھا۔ اور خدا تعالےٰ کے پیالہ میں زندگی کا۔ یہ

فرق

تھا۔ جسے وہ سمجھ نہ سکے۔ اگر وہ فرعون کا پیالہ پی لیتے۔ تو ہمیشہ کے لئے انہیں موت ملتی لیکن اگر وہ خدا تعالےٰ کا پیالہ پی لیتے۔ تو وقتی موت ہوتی۔ جس کے بعد انہیں ہمیشہ کے لئے زندگی ملتی۔ مگر انہوں نے اس فرق کو نہ سمجھا۔ اور خدا تعالےٰ کا پیشکردہ موت کا پیالہ پینے سے بھی اسی طرح انکار کر دیا جس طرح فرعون کا پیالہ پینے سے انکار کیا تھا۔ تب اللہ تعالےٰ نے پھر انہیں فرمایا۔ کہ موتو (فقال لھم اللہ موتوا) تم اپنے ہاتھ سے موت لینے سے انکار کرتے ہو۔ ہم خود تمہیں موت دیتے ہیں۔ تم اس موت کا مقابلہ نہیں کر سکو گے لیکن اللہ تعالےٰ نے

فرعون کی دی ہوئی موت

اور اپنی دی ہوئی موت میں فرق رکھا۔ وہ لوگ گھر سے تو اللہ تعالےٰ کے وعدہ پر اعتبار کر کے ہی نکلے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے کچھ عرصہ کی موت کے بعد انہیں پھر زندگی دے دی۔ اور اس طرح اس وعدہ کو پورا کر دیا۔

یہ ایک چھوٹی سی آیت ہے۔ لیکن اس میں اللہ تعالےٰ نے

قومی جدوجہد کا نقشہ

بیان کر دیا ہے۔ سورۃ بقر میں اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار کام بتاتا ہے۔ یتلوا علیھم ایٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم اول آیات الٰہی سنانے کا کام دوسرا تعلیم کتاب کا۔ تیسرا حکمت کا۔ چوتھا تزکیہ نفس کا۔ یہ آیت جسکا میں نے ذکر کیا۔ یعلمھم الحکمۃ کے ماتحت ہے۔ یہاں

قوموں کی ترقی کے ذرائع

بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس جگہ مثال دے کر بتایا ہے۔ کہ اس طرح قومیں ترقی کر سکتی ہیں۔ جب کبھی بھی کسی قوم کو موت کا ڈر ہو۔ اس کا یہی علاج ہے۔ کہ یا تو وہ اپنے ہاتھ سے موت قبول کرے۔ یا خدا کے ہاتھ سے۔ اپنے ہاتھ سے موت قبول کرنے میں کئی آسانیاں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم اپنے ہاتھ سے ابتلا لو۔ تو تم اسے کم کر سکتے ہو۔ جیسے سردی میں وضو کے لئے پانی کی ٹھنڈک تم

دور کر سکتے ہو۔ ایسے ہی جنگ میں تم بخوشی موت قبول کرتے ہو۔ لیکن تم اس سے بچاؤ کے لئے تلوار ہاتھ میں پکڑ لیتے ہو۔ اور

بدن پر زرہ

پہن لیتے ہو۔ تاکہ جہاں تک ہو سکے۔ موت کے اثر کو کم کر دو۔ اگر تم زخمی ہو۔ تو علاج کرا سکتے ہو۔ لیکن خدا تعالےٰ کی دی ہوئی موت سے تم کوئی بچاؤ نہیں کر سکتے۔

خدا تعالےٰ کا قانون

کام کرتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ یہ نہیں دیکھتا۔ کہ اس طرح تکلیف کم ہوگی۔ یا زیادہ مثلاً ہیضہ یا طاعون کی وبائیں بلا لحاظ مارتی چلی جاتی ہیں ؛

الغرض تم خود ایک چیز کی تکلیف کم کر سکتے ہو۔ اسی لئے جب کانٹا چبھ جائے۔ تو تم اسے اپنے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کرتے ہو۔ کیونکہ دوسرے سے تمہیں یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ اس تکلیف کو کم کرنے کی ایسی ہی کوشش کرے گا۔ جیسی تم خود کر سکتے ہو۔ پس جب قوم کی موت آتی ہے۔ تو اس کا علاج زندہ رہنا نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ وہ موت کو قبول کرے۔ دنیا میں

تین قسم کی قومیں

ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو موت کو خود قبول کر لیتی ہیں بعد میں انہیں ہمیشہ کے لئے زندگی مل جاتی ہے۔ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ میں بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ یہاں ان کا ذکر ہے۔ جن کے لئے مقتول ہونا مقدر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں یہ مطلب نہیں۔ یہاں

قتل کا لفظ

موت کے معنی میں ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی موت کی طرف اشارہ کرنا منظور تھا۔ اس لئے قتال نہیں کہا۔ بلکہ قتل کہا ہے۔ گویا یہ قتال بھی قتل ہی ہے۔

صحابہ کے سامنے موت

پیش ہوئی۔ انہوں نے اسے قبول کر لیا نتیجہ میں انہیں ہمیشہ کی زندگی مل گئی۔

جنگ بدر کے موقعہ پر تمام صحابہ حضور کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی مصلحت کی وجہ سے انہیں

جنگ کی خبر

نہیں دی تھی۔ گو آپ کو اس کا علم تھا۔ آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا۔ مجھے مشورہ دو۔ کہ لڑنا چاہیئے یا نہیں۔ مہاجرین نے عرض کیا۔ ضرور یا رسول اللہ آپ نے دوبارہ فرمایا مشورہ دو ہمیں لڑنا چاہیئے یا نہیں۔ مہاجرین نے پھر عرض کیا۔ ضرور یا رسول اللہ پھر آپ نے فرمایا۔ تم مشورہ کیوں نہیں دیتے۔ اس پر ایک انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کی مراد ہم سے ہے

انصار سے معاہدہ

تھا۔ کہ مدینہ کے اندر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ملکر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ مدینہ سے باہر وہ حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ اس وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہی سے مشورہ لینا چاہتے تھے۔ اس انصاری نے آپ کے مطلب کو سمجھ لیا۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ بے شک ہمارا یہ معاہدہ تھا۔ کہ

مدینہ سے باہر

ہم نہیں لڑیں گے۔ لیکن وہ تو ابتدائی زمانہ تھا۔ اب خدا کا نور ہم نے خود اترتے دیکھ لیا ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ

میدان جنگ میں

جائیں۔ اور ہم نہ جائیں۔ ہم ان انصار کی طرف سے بھی جو علم نہ ہونے کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ بھی یہاں موجود ہوتے۔ تو ضرور آپ کے ساتھ جنگ میں شامل ہوتے۔ یا رسول اللہ آپ ہم کو حکم دیجئے۔ کہ سمندر میں گھوڑے ڈالدو۔ پھر دیکھئے ہم ڈالتے ہیں۔ یا نہیں۔ یا رسول اللہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے۔ اور بائیں بھی۔ اور آگے بھی۔ اور پیچھے بھی۔ اور کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک ہماری

لاشوں پر سے

نہ گزرے

یہ فقرہ صحابہ کو اس قدر پسند تھا۔ کہ ایک صحابی نے جو ۱۴ یا ۱۸ جنگوں میں شریک ہوئے۔ کہا کرتے تھے۔ کہ باوجود اس کے کہ مجھے اتنی

جنگوں میں شمولیت

کا فخر حاصل ہے۔ میرے نزدیک صحابی کا وہ فقرہ میری ساری لڑائیوں سے بہتر تھا۔ کاش کہ وہ میرے مونہہ سے نکلتا۔

غرض ایک تو یہ قوم تھی۔ جنہوں نے بخوشی موت کو قبول کیا۔ اور اس کے مطابق اس سے سلوک ہوا۔

دوسری قوم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے ان سے زندگی کا وعدہ کیا تھا۔ اس نے وعدہ کے لفظاً ایفاء کا مطالبہ کیا۔ کہ تم بادشاہت دو۔ ہم لے لیں گے۔ وہ

مولوی ثناء اللہ صاحب والی سیرت کے لوگ

تھے۔ جیسے مولوی صاحب الفاظ الہام کو دیکھتے ہیں۔ وہ بھی الفاظ الہام کو دیکھتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ تم ہم کو زندگی دینے کے وعدہ پر لائے تھے۔ تم نے ہمیں

بادشاہت دینے کا وعدہ

کیا تھا۔ تم ملک لے کر ہمیں دو۔ ہم لڑکر ملک لینے کو تیار نہیں اگر تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تو سمجھ لو۔ کہ تم جھوٹے ہو۔ اور تمہارا الہام جھوٹا ہے۔

خدا نے انہیں موت دے دی۔ مگر چونکہ زندگی کا وعدہ بھی کیا ہوا تھا۔ اس لئے زندگی بھی دے دی لیکن

چالیس سال کے بعد

جبکہ وہ نسل جس نے خود موت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ بیابانوں میں تباہ ہو چکی تھی۔ خدا تعالےٰ نے اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہنے والوں کے بچوں کو جنہوں نے یہ فقرہ نہیں کہا تھا۔ اٹھایا اور زندگی کا وعدہ ان کے زمانہ میں پورا کر دیا (ثُمَّ اَحْيَاهُمْ)

تیسری قسم کی قوم

وہ ہے۔ جس سے کوئی وعدہ نہیں ہوتا۔ یہ قوم جب موت کے مونہہ میں آتی ہے۔ تو اس سے سلوک اس کی اپنی

ہمّت کے مطابق

ہوتا ہے۔ کبھی اپنی کوشش سے یہ بچ جاتی ہے۔ کبھی ہلاک ہو جاتی ہے ؛

ہماری جماعت

سے بھی خدا تعالےٰ نے زندگی کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی پہلے موت کا پیالہ پینا ہوگا۔ کیونکہ آدمؑ سے لیکر اب تک خدا تعالےٰ کی یہی سنت رہی ہے۔ کہ زندگی حاصل کرنے سے پہلے موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ جاہل ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم سے زندگی کا پیالہ دینے کا وعدہ ہے ہمیں زندگی کا پیالہ ہی ملنا چاہیئے۔ ورنہ خدا تعالےٰ کا وعدہ جھوٹا ہے

اب خواہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا وطیرہ اختیار کرو۔ یا محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کا۔ بہر حال تمہیں موت کا پیالہ پینا ہوگا۔ اگر تم اپنے ہاتھ سے وہ پیالہ پی لو۔ تو تم ہمیشہ کے لئے زندہ رہو گے لیکن اگر خدا کے ہاتھ سے پیو۔ تو کم سے کم چالیس سال تک کی موت تمہیں نصیب ہوگی۔ نادان ہیں ہم میں سے وہ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں زندگی کے پیالہ کا وعدہ ہے

آسمانی اصطلاح

میں زندگی کے پیالہ سے مراد موت کا پیالہ لے کر زندگی کا نصیب ہونا ہوتا ہے

اب یہ بات تمہارے اختیار میں ہے۔ کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح موت کا پیالہ پینے سے انکار کر دو۔ یا محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی طرح موت کا پیالہ قبول کر لو۔ اور

ہمیشہ کی زندگی

لے لو۔ یہ بھی یاد رکھو۔ کہ یہ کافی نہیں۔ کہ تم میں سے ہر ایک اپنے متعلق فیصلہ کرے۔ کہ وہ کس قوم کی طرح ہوگا۔

خدا کا فیصلہ

کثرت پر ہوگا۔ تم میں سے اکثر جس قوم کی طرح ہونگے۔ ویسا ہی تم سے سلوک کیا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی اور نہیں تو کم از کم حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام ایسے تھے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی طرح تھے۔ مگر ان سے بھی ویسا ہی سلوک کیا گیا۔ جیسا دوسروں کے ساتھ۔ ان کو بھی حکومت نہ دی گئی۔ اور وہ بھی وہیں فوت ہوگئے۔ ان کے بعد حضرت یوشع کو حکومت ملی۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کے وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یا ابھی کمسن تھے۔ اور ان میں سے نہیں تھے۔ جنہوں نے موت کا پیالہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

پس ہمیں دیکھنا چاہیئے۔ کہ

جماعت میں سے کثرت

کس طرف ہے۔ اگر تم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کی طرف کے لوگ زیادہ ہیں۔ تو تم میں سے کمزور بھی بچ جائینگے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمزور بھی فتحیاب ہوئے تھے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح کے لوگوں کی کثرت ہے۔ تو پھر ان کو بھی جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کی طرح ہیں۔ موت قبول کرنا ہوگی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے قربانی سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ ہم چندہ دیتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے تو

آخری موت سے انکار

کیا تھا۔ ورنہ انہوں نے اپنے مکان چھوڑ دئے۔ اپنے بھاری اسباب چھوڑ دئے۔ اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اپنے دوست چھوڑ دئے اور حضرت موسیٰ کی آواز کو لبیک کہا۔ گویا جائداد کا نصف حصہ سے زیادہ قربان کر دیا۔ کیونکہ غیر منقولہ جائداد منقولہ کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

پس یہ خیال کرنا غلطی ہے۔ کہ ان لوگوں نے قربانی نہیں کی۔ وہ تو ہمارے بہت سے چندہ دینے والوں سے بڑھکر تھے۔ انہوں نے تو صرف

آخری پیالہ

جو صاف موت کا پیالہ تھا۔ پینے سے انکار کیا۔ ورنہ چندہ تو انہوں نے خوب دیا۔ کیونکہ اپنا وطن اپنے مکان اپنی زمینیں اور اپنے بھاری اسباب سب خدا کے لئے چھوڑ دئے۔ پس جب خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ انہوں نے موت قبول نہیں کی۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک موت قبول کرنا ان قربانیوں سے بڑھکر کوئی چیز ہے پس ہمیں بھی وہم دور کرکے

موت کے لئے تیار

ہو جانا چاہیئے۔ ورنہ زبانی دعوے پاگلوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں

احمدیت پر اعتراضات کے جواب

اخبار "پرکاش" کے نامعقول اعتراضات

حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں نانقص دکھانے کی ناکام کوشش

آریہ اخبارات کے اعتراضات

آریہ اخبارات اسلام اور احمدیت پر جو اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ وہ بودے اور اتنے مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ کہ ان کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اصل بات یہ ہے۔ کہ اسلام اور احمدیت کی مثال ایک ایسے قلعہ کی ہے جس میں نقب لگانا کسی معاند کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ اس کی بنیاد اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے۔ اور اس میں کوئی ایسا نقص نہیں۔ جس پر کوئی معقولیت کے ساتھ گرفت کر سکے لیکن دوسری طرف وہ لوگ جنہیں صداقت اور راستی سے فطرتی بیر ہے۔ وہ یہ دیکھ کر کہ اسلام کی روشنی ان لوگوں کو بھی متاثر کئے جا رہی ہے۔ جو اس وقت تک مختلف اقسام کی تاریکیوں میں مبتلا تھے۔ خاص کر آریہ جب دیکھتے ہیں۔ کہ ویدک دھرم کی ہر بات اسلام کے مقابلہ میں بودی ثابت ہو رہی ہے۔ اور معقول پسند ہندو اس دھرم سے دست بردار ہو کر اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ تو انہیں جنون سا اٹھتا ہے۔ کہ جس طرح بھی ہو اسلام اور تحریک احمدیت کی وقعت کو کم کرکے دکھائیں۔ آریہ اخبارات میں آئے دن جو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ وہ دراصل اسی جوش جنون کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

"پرکاش" کا اعتراض

ہم اپنے اس دعوے کی تصدیق میں پرکاش ۳۰ رجولائی کو پیش کرتے ہیں۔ جس میں کسی غیر احمدی کے اعتراض کو دہراتے ہوئے لکھا ہے۔

"مرزائیوں کا مذہب چوں چوں کا مربہ ہے۔ جب اسکی بنیاد آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نے ڈالی۔ تو کسے خبر تھی۔ کہ یہ مذہب جلد ہی اجتماع ضدین کا نمونہ بن جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ بڑے مرزا کے متعلق تو یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ وہ یہ پسند نہ کرتے تھے۔ کہ کوئی مسمریزم سیکھے۔ کیونکہ وہ اس کو مکروہ جانتے تھے۔ ملاحظہ ہو بدر قادیان ۱۰ فروری ۱۹۱۹ء لیکن آپ کے صاحبزادہ کے متعلق الفضل کچھ اور ہی اچھالتا ہے۔ "عملی مسمریزم کا یہی اصول ہے۔ کہ توجہ ڈال کر اپنا اثر دوسرے پر ڈالا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔ کہ مجھ کو بھی یہ علم آتا ہے" الفضل ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء صفحہ ۸ جب میاں محمود اپنے باپ کی ناپسندیدہ بات کا علم رکھتے ہیں۔ تو سمجھ لو کہ وہ عجیب قسم کی قادیانی سعادتمندی کا ثبوت دے رہے ہیں"

اعتراض کی نامعقولیت

مطلب یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ مسمریزم کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کا یہ فرمانا۔ کہ مجھے یہ علم آتا ہے۔ تناقض ظاہر کرتا ہے۔ حالانکہ معمولی عقل و سمجھ کا انسان بھی جانتا ہے۔ کہ مسمریزم کرنا اور مسمریزم کے علم سے واقف ہونا بالکل جدا باتیں ہیں۔ اور اس بنا پر "پرکاش" کا یہ لکھنا۔ کہ جب میاں محمود احمد اپنے باپ کی ناپسندیدہ بات کا علم رکھتے ہیں۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ عجیب قسم کی قادیانی سعادت مندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اس کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسمریزم کا علم رکھنا کبھی ناپسند نہیں فرمایا۔ بلکہ جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا۔ وہ مسمریزم کرنا یعنے اسے اپنا شغل بنا لینا۔ اور اس کے ذریعہ عوام کو اس دھوکا میں مبتلا کرنا ہے۔ کہ بڑا روحانی کمال حاصل ہے۔ یہ ناپسندیدہ بات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے آپ کا اس علم کو جاننا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے خلاف نہیں ہے

ناپسندیدہ فعل کا علم ناپسندیدہ نہیں

"پرکاش" اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی نے کئی ایسی باتوں کا علم حاصل کیا جن کو ان کے آباؤ اجداد سخت ناپسند کرتے تھے۔ مثلاً دیوالی کے دن چوہے کے ذریعہ مورتی کی بے کسی اور بے بسی کا گیان انہیں ہوا۔ وہ ان کے باپ کے نزدیک سخت ناپسند اور مکروہ بات تھی۔ پھر کیا وہ علم حاصل ہونے پر کہا جا سکتا ہے کہ "جب دیانند جی اپنے باپ کی ناپسندیدہ بات کا علم رکھتے

تو سمجھ لو کہ وہ عجیب قسم کی ویدک دہرمی سعادت مندی کا ثبوت دے رہے ہیں "اگر نہیں۔ تو کیوں۔ پھر سوامی جی نے ایسی باتوں کا علم حاصل کیا۔ جنہیں وہ خود بھی پسند نہ کرتے تھے۔ مثلاً وام مارگی وغیرہ فرقوں کے نہایت ہی شرمناک افعال انہوں نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں درج کئے۔ وہ اگر انہوں نے صحیح علم حاصل کئے۔ بغیر ہی درج کر دئے۔ تو نہایت ہی نامناسب بات کی۔ اور اگر ان کا علم حاصل کرنے کے بعد درج کئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے سخت ناپسندیدہ بلکہ شرمناک امور کا علم حاصل کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھا۔ جب سوامی جی کے لئے یہاں تک جائز تھا۔ تو پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا مسمریزم کا علم جاننا کیونکر قابل اعتراض ہو گیا۔ ؟

پھر اور آگے چلئے دیانند جی ویدک دہرم کے سوا دیگر مذاہب کو جس نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے متعلق جس درشت کلامی اور بدگوئی سے انہوں نے کام لیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہے۔ کہ وہ انہیں سخت ناپسند کرتے تھے۔ مگر ان کا علم حاصل کرنے کے بھی مدعی تھے۔ اور اسی ادعا کی بنا پر انہوں نے اوٹ پٹانگ اعتراضات کئے۔ کیا پرکاش بتا سکتا ہے۔ کہ سوامی جی اپنی ہی ناپسندیدہ بات کا بزعم خود علم حاصل کرنے کے کیوں مرتکب ہوئے۔ اگر اس لئے کہ ان کی غلطیاں اور نقائص معلوم کر سکیں۔ تو یہی وجہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے علم مسمریزم حاصل کرنے کی نسبت کیوں نہیں سمجھی جا سکتی

پرکاش کا ایک اور اعتراض

احمدیت پر اعتراض کرنے کی ناکام کوشش کی ایک اور مثال "پرکاش" نے ۶ر اگست ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں پیش کی ہے چنانچہ لکھا ہے۔

" مرزا قادیانی کے دعاوی متضاد۔ بیانات متضاد۔ زندگی متضاد اور کلام متضاد اس پر بھی ہمارے قادیانی دوست ظلی یا بروزی نبی بیان کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم مرزا صاحب کی اپنی تحریروں کو دیکھتے ہیں۔ تو ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کو ایک معقولیت پسند انسان بھی مانیں یا نہ مانیں چنانچہ ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ "بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے ہیں۔ جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ مثلاً انگریزی و سنسکرت۔ عبرانی وغیرہ جیسا کہ براہین احمدیہ میں کچھ بطور نمونہ لکھا گیا ہے۔ (نزول المسیح صـ ۵۷) اس کے خلاف ایک اور جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے۔ کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا" کیا ہمارے مرزائی دوست یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ انگریزی۔ سنسکرت اور عبرانی وغیرہ زبانیں جن میں اپنے الہامات کا کچھ نمونہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں دیا ہے۔ مرزا صاحب کی مادری زبانیں تھیں۔

نزول المسیح کی عبارت

یہ تضاد بھی "پرکاش" کی کوتہ بینی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے نزول المسیح میں یہ بات اس ضمن میں تحریر فرمائی ہے۔ کہ "میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت اپنی نسبت دیکھتا ہوں" اور پھر غیر زبانوں میں الہامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "مجھے خدا کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ یہی عادت اللہ میرے ساتھ ہے۔ اور یہ نشانوں کی قسم میں سے ایک نشان ہے۔ جو مجھے دیا گیا ہے۔"

حوالہ مذکور کی تشریح

گویا آپ یہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہ "بعض الہامات" مجھے ان زبانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ جن سے میں بیگانہ اور ناآشنا ہوں۔ اور یہ گویا ایک نشان ہے اس امر کا۔ کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ جو سب زبانوں اور سب علوم کا جاننے والا ہے۔

لیکن چشمہ معرفت میں آپ نے جس امر کو بیہودہ قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام کے تمام الہام کسی ایسی زبان میں ہوں۔ جسے دنیا میں کوئی سمجھنے والا ہی نہ ہو۔ چونکہ الہام الہٰی کے نزول کی غرض انسان کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ اس لئے اگر الہامات کی زبان ایسی ہو۔ جسے دنیا میں کوئی جانتا ہی نہ ہو۔ اور جس سے وہ خود بھی آگاہ نہ ہو۔ جس پر نازل ہو۔ جیسا کہ وہ لوگ جن پر ویدوں کا نزول بتایا جاتا ہے۔ تو یہ فی الواقع ایک بیہودہ اور لغو فعل ہوگا۔ کسی ایک یا بعض الہامات کا ایسی زبان میں ہونا جسے ملہم نہیں سمجھتا۔ لیکن اور لوگ سمجھنے والے موجود ہیں۔ اس ذیل میں نہیں آ سکتے۔ جن میں ایسے الہامات جنہیں کوئی بھی نہ سمجھتا ہو۔ بلکہ ملہم کی صداقت کا نشان سمجھے جائیں گے۔ ان دونوں باتوں کو آپس میں متضاد قرار دینا محض نادانی و جہالت ہے۔

آریوں کا دعوےٰ

بات دراصل یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۰۷ء میں آریہ سماج امرتسر نے ایک جلسہ منعقد کر کے مختلف مذاہب کے نمائندوں کو اپنے مذہب کی تائید میں مضامین لکھ کر وہاں سنانے کی دعوت دی اسی سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی دعوت دی گئی۔ اس جلسہ میں آریہ سماج کی طرف سے جو مضمون پڑھا گیا اس میں الہامی کتاب کی خصوصیات میں سے ایک یہ بیان کی گئی۔ کہ وہ کتاب "خاص ایشور کی ہی زبان میں ہو" اور آریہ مضمون خواں کا دعوےٰ یہ تھا۔ کہ سنسکرت ایسی ہی زبان ہے کیونکہ یہ دنیا میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ لہٰذا وید ہی الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔

چشمہ معرفت کی عبارت

اس پر جرح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے تحریر فرمایا کہ "یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔ اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ پس جبکہ بموجب اصول آریہ سماج کے وید کے رشیوں کی زبان وید سنسکرت نہیں تھی۔ اور نہ وہ اس کے بولنے اور سمجھنے پر قادر تھے۔ تو پھر خدا کا ایسی بیگانہ زبان میں ان کو الہام کرنا گویا دیدہ دانستہ ان کو اپنی تعلیم سے محروم رکھنا تھا۔ اور اگر کہو۔ کہ خدا ان کو انسانی زبان میں سمجھا دیتا تھا۔ کہ ان عبارتوں کے یہ معنے ہیں۔ تو اس صورت میں پرمیشور کا یہ عہد بحال نہیں رہے گا۔ کہ انسانی زبان میں اس کو بولنا حرام ہے۔"

کوئی تضاد نہیں

بات بالکل صاف ہے۔ آریہ سماجی لیکچرار نے چونکہ یہ دعوےٰ کیا تھا۔ کہ جن رشیوں پر وید نازل ہوئے۔ ان کی زبان وہ نہ تھی جو ویدوں کے لئے استعمال کی گئی۔ بلکہ وید خاص ایشور کی ہی زبان میں نازل ہوئے تھے۔ جسے انسان نہ بولتے تھے اور نہ سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس بات کی لغویت ظاہر کرتے ہوئے بتایا۔ کہ اگر وید دنیا کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے تھے۔ تو ان کا نزول ایسی زبان میں ہونا چاہیئے تھا۔ جو عام طور پر سمجھی اور بولی جاتی۔ لیکن جس کتاب کو خود ملہم بھی نہ سمجھ سکتا ہو۔ وہ دنیا کی رہنمائی کس طرح کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ بالکل الگ بات ہے۔ اور نزول المسیح میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ ایک اور بات ہے۔ وہاں آپ نے یہ بتایا ہے۔ کہ آپ کو بطور نشان ایسی زبانوں میں الہام کئے گئے۔ جنہیں آپ نہ جانتے تھے۔ مگر دنیا جانتی تھی۔ ان میں تضاد کے کیا معنی۔ ؟

دراصل آریہ اخبارات کے اعتراضات چونکہ ان مخالفین کے حوالوں کی بنا پر ہوتے ہیں۔ جو کاٹ چھانٹ کر غلط پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ اور ذاتی طور پر انہیں کوئی واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے معقولیت سے کام لینے سے عاری ہوتے ہیں۔ لیکن احمدیت کی مخالفت کرنے کی خاطر اس کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔

مسلمانانِ کشمیر کو ایک اہم مشورہ

(۲)

کامیابی کے لئے اتحاد۔ کمزوریوں کی اصلاح اور قانون کے ماتحت جدوجہد کی ضرورت ہے

(ایک گریجویٹ کے قلم سے)

عہد کی خلاف ورزی

پہلی قسط میں مختصر طور پر میں نے عرض کیا تھا۔ کہ مسلمانان کشمیر اپنے حقوق کی نگہداشت کے بجائے باہمی خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اور وہ اصول جو بوقت انتخاب نمائیندگان جموں و کشمیر تمام راہنمایان کشمیر نے مقرر کیا تھا۔ اور جس پر کاربند رہنے کے لئے سرکردہ مسلمانان کشمیر نے تمام مسلم پبلک کے سامنے حلفیہ وعدہ کیا تھا۔ اور مذہبی اختلافات ہونے کے باوجود مسلمانوں کے تمام فرقے سیاسی میدان میں ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر مصروف عمل ہوئے تھے۔ بدقسمتی سے فراموش کر دیا گیا۔ اور وہی لوگ جو لیڈر سمجھے گئے یا بنائے گئے تھے۔ اس افسوسناک ذہنیت کا شکار ہو گئے۔ مجھے ندامت ہوتی ہے۔ لیکن میں واقعات کی بناء پر یہ کہنے کے لئے مجبور ہوں۔ کہ جس قوم کے لیڈر جن میں علماء کہلانے والے بھی شامل ہیں۔ ان کی طرف سے جب ایک اصولی اور بنیادی حلفیہ وعدہ جو ایک مقدس مذہبی تعلیم پر کیا گیا تھا۔ اس طرح توڑ کر پاش پاش کر دیا جائے۔ تو عام افراد کی کیا حالت ہو سکتی ہے۔ دراصل ایسے لوگوں نے وعدہ خلافی کر کے اپنے نفسوں پر ہی ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ لوگ تمام قوم کی بدنامی کا باعث ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ذاتی مفاد کے مدنظر یہ خطرناک غلطی کر کے صرف اپنے آپ کو نہیں۔ بلکہ تمام مسلمانانِ کشمیر کو دنیا کی نظروں میں وعدہ خلاف جھوٹا مطلب پرست اور خودغرض ثابت کرنے کی ناقابل عفو کوشش کی ہے۔

افسوسناک طریق عمل

غیور مسلمانان کشمیر کا فرض ہونا چاہیئے تھا۔ کہ جب بھی کوئی سرکردہ ذمہ دار مسلمان ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو ضرب لگانے کی کوشش کرتا۔ تو وہ بیک آواز ایسے خودغرض انسان سے قطع تعلق کر لیتے۔ لیکن جائے افسوس ہے۔ کہ جب بھی کسی نام نہاد لیڈر نے دیدہ دانستہ کوئی فاش غلطی کی۔ اور قوم میں فرقہ وار تعصب پیدا کیا۔ تو چند لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ احمدی مسلمانوں کو بلکہ تمام قوم کو مرزائی وغیرہ کے سے نامناسب اور غیر شریفانہ خطابات عطا کئے۔ اور مختلف پارٹیوں نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی۔ اور ممبروں پر چڑھ کر بجائے وعظ و نصیحت کرنے کے خانۂ خدا میں ذاتی حرص اور لالچ کو مذہبی رنگ دے کر نہایت دل آزار اور گالی گلوچ سے بھرے ہوئے لیکچر شروع کر دیئے۔ کاش کہ مسلمان اس قماش کے لوگوں کی چالوں سے واقف ہو کر الگ ہو جائے۔ اور قومی پلیٹ فارم سے متحدہ آواز ایسے اشخاص کی نازیبا حرکات کے خلاف بلند کرتے تاکہ اس قسم کے لیڈروں کو سمجھ آ جاتی۔ کہ پبلک ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو ہرگز قربان کرنے کے لئے تیار نہیں۔

لیڈر کے اوصاف

اس ضمن میں ایک اہم نکتہ بھی پیش کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ کوئی لیڈر جبھی تک لیڈر کہلا سکتا ہے۔ جب تک وہ قوم کی صحیح نمائیندگی بلا کسی غرض کے کرتا ہے۔ اور قوم کی خاطر ہر ایک مالی اور جانی قربانی کے لئے تیار رہتا ہے۔ اور قوم کی رائے اور قوم کی آواز کو ٹھنڈے دل اور غور سے سنتا ہے۔ غرض ایک لیڈر جبھی تک قوم کا نمائیندہ ہو سکتا ہے۔ جب تک وہ قوم کا خادم ہے۔ اور قوم کی عزت اس کے دل میں رہتی ہے۔ لیکن اگر کسی کے دل میں اپنی بڑائی یا غرور کا نفرت انگیز خیال پیدا ہو جائے تو وہ بھی قوم کی طرف سے کسی خاص سلوک یا عزت کا مستحق نہیں۔ یہ باتیں مسلمانان کشمیر کو خود سمجھ لینی چاہئیں۔ اور مناسب وقت پر اس کا صاف صاف اظہار کر دینا چاہیئے۔ یاد رکھیئے رائے عامہ کے خلاف جو شخص بھی کوئی قدم اٹھائیگا۔ وہ سیاسی لحاظ سے کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرنا چاہیئے

اس قدر عرض کر دینے کے بعد میں اصل مضمون کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اور مسلمانان کشمیر سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ اس طرف فوری توجہ کریں کیونکہ موجودہ حالات میں صرف اسی نکتہ پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان ترقی کر سکینگے۔

بعض لوگ اپنی حقیقی کمزوریوں کو چھپا کر اپنی اہلیت اور قابلیت کا غلط نقشہ اپنوں اور بیگانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں ممکن ہے اس اصول سے بعض لوگ کسی وقت ذاتی فائدہ حاصل کر لیں۔ لیکن قومی نقطۂ نگاہ سے یہ اصول ہمیشہ قومی تباہی کا باعث ہوا ہے۔ جو نقائص یا کمزوریاں قوم میں موجود ہیں۔ ان کا اظہار صاف صاف قوم سے کر دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو۔ اور اپنے عیوب کو دور کرنے کی فکر کرے نیز قومی کمزوری زیادہ عرصہ تک پوشیدہ بھی نہیں رکھی جا سکتی اور کسی نہ کسی وقت ایسی کمزوریوں کا اظہار غیروں کے سامنے ہو ہی جاتا ہے۔ اس وقت جو ندامت اور شرمندگی قوم کو اٹھانی پڑتی ہے۔ وہ بے حد رسوا کن ہوتی ہے۔

کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانان کشمیر نے بے مثل قربانیاں کر کے اپنی قابلیت، استعداد اور غیرت کا ثبوت ایک سے زیادہ بار دیا ہے اور اپنے آپ کو شریف انسانوں میں شمار کرا لیا ہے۔ جس کے لئے جمیع مسلمانانِ کشمیر قابل ستائش و صد مبارک باد ہیں۔ لیکن اس میں بھی کیا شک ہے۔ کہ ابھی کشمیر کے مسلمان بعض امور میں بہت پیچھے ہیں۔ اور اگر ان کو کوئی طعنہ دیتا ہے۔ تو وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔ اور کشمیری مسلمانوں کو بجائے ناراض ہونیکے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیئے۔ اس امر پر غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ حکومت یا دیگر لوگوں کی طرف سے جو الزامات ان پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ حقیقت حال پر مبنی ہوتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بجائے چڑ جانے یا ناراض ہونے کے اپنی کمزوریوں کو دور کر کے اصلاح کرنی چاہیئے۔

ضرورتِ تنظیم

میں اس بات کے اظہار کو بھی ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ اب وقت آ گیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو کوئی ہنگامی قدم اٹھانے یا کسی دیگر غیر آئینی کارروائی کے مرتکب ہونیکے بجائے مضبوطی سے زبردست قومی نظام قائم کر کے ٹھوس کام کرنا چاہیئے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہنگامی کام نہ دیرپا ہو سکتے ہیں۔ اور نہ قوم کے لئے مفید۔ پھر قانون شکنی کوئی قابل تعریف بات بھی نہیں اور دنیا کی کوئی حکومت بھی قانون شکنی کو برداشت کرنیکے لئے تیار نہیں۔ خود مسلمان خلفاء اور بادشاہوں کے عہد میں بھی قانون شکنی ایک بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا اسلام قانون شکنی کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ پس اگر مسلمانان کشمیر میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو قانون شکنی کے ذریعے سے کسی حق کے حصول کی کوشش کرے تو یقیناً اس کا خیال ملک اور قوم کے لئے نقصان رساں ہے۔ اور قوم کو چاہیئے۔ کہ ایسے خیالات کی اصلاح کرے۔ جب مسلمان اس نکتہ سے آگاہ ہو جائینگے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ نہ ریاست کو ظلم کا موقع ملیگا اور نہ مسلمانوں کو کوئی تکلیف ہوگی بلکہ مسلمان بہت جلد اپنے حقوق حاصل کر لینگے۔ یہ لکھنے سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے جو جدوجہد اب تک کی ہے۔ وہ غیر ضروری تھی۔ یا اسے بند کر دیا جائے۔ بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ غیر آئینی اور ہنگامی باتوں سے پرہیز کر کے قومی کام کو پہلے سے بھی زیادہ کوشش سے

وصیتیں

۳۸۰۷ :- منکہ جمال الدین ولد غلام علی ارائیں پیشہ زراعت عمر ۴۵ سال ساکن پھیلا ڈاک خانہ کپور تھلہ تحصیل و ضلع کپور تھلہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۱۰/۳۲-۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری اس وقت حسب ذیل جائداد ہے ۔ اراضی ڈیڑھ گھماؤں مالیتی تین صد ۔/۳۰۰ روپیہ اور مکانات اور مال مویشی ۔/۱۰۰ کل چار سو روپیہ کی جائداد ہے ۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں ۔ اگر میں کوئی رقم یا جائداد اپنی زندگی میں بعد وصیت داخل خزانہ یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں ۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی ۔ چونکہ میرا گذارہ اس جائداد کے علاوہ زراعت و تجارت وغیرہ پر بھی ہے ۔ اس لئے میں اپنی جائداد مذکور کے ۱/۱۰ حصہ کے علاوہ اپنی ماہوار آمد کے بھی جس میں میرا گذارہ ہو رہا ہے ۔ اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ آمد بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کر کے ماہواری ادا کرتا رہونگا ۔ میرے مرنے کے وقت جو کچھ بھی متروکہ اس جائداد سے زائد ہو جائے ۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔

العبد ۔ بقلم خود ۔ جمال الدین ۱۰/۳۲-۷
گواہ شد :- سید محمد علی شاہ محصل حلقہ
گواہ شد :- منظور احمد سیکرٹری تبلیغ

۳۸۰۸ :- میں سماۃ زینب زوجہ جمال الدین قوم ارائیں پیشہ زراعت عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۲ء ساکن پھیلا ڈاک خانہ کپور تھلہ تحصیل و ضلع کپور تھلہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۱۰/۳۲-۷ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میری اس وقت جائداد حق مہر مبلغ سات صد روپیہ ہے ۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ مبلغ ۔/۷۰ روپیہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں اور یہ رقم بااقساط داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر کے رسیدات حاصل کرونگی ۔ جو جو رسیدات میں خزانہ صدر سے حاصل کرونگی انکی رقومات اصل رقم ۔/۷۰ سے منہا کر دی جائینگی ۔ میرے مرنے کے وقت میرا جو کچھ بھی متروکہ اس وصیت سے زائد ثابت ہوگا ۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ ہوگی ۔ فقط المرقوم ۱۰/۳۲-۷

العبد :- زینب بی بی ۔ گواہ شد :- منظور احمد سیکرٹری تبلیغ
گواہ شد :- سید محمد علی شاہ محصل حلقہ ۔ گواہ شد :-
جمال الدین خاوند موصیہ

۳۸۶۲ :- میں قاضی علی محمد ولد قاضی علم الدین قوم کھوکھر پیشہ ملازمت عمر ۳۵ سال بیعت ۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء ساکن موماں ڈاک خانہ اگوکی تحصیل و ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۸/۳۲-۲۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔

میں اپنی منقولہ جائداد (تنخواہ) کا دسواں حصہ ماہ بماہ اور غیر منقولہ جائداد کا دسواں حصہ بااقساط صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں داخل کرتا رہونگا ۔ میری منقولہ جائداد صرف تنخواہ ہے ۔ جو اس وقت پینتالیس روپیہ ماہوار ہے ۔ جس کا دسواں حصہ ساڑھے چار روپیہ ہے ۔

میری غیر منقولہ جائداد میں سے گاؤں میں ایک دیہاتی طرز کا معمولی رہائشی مکان ہے ۔ جس میں میری سوتیلی والدہ صاحبہ واحد شریک ہیں ۔ اس میں میرے حصہ کی زیادہ سے زیادہ مالیت ایک سو پچاس روپے ہے ۔ جس کا دسواں حصہ ۔/۱۵ روپیہ ہے ۔ آئندہ وعدہ کرتا ہوں ۔ کہ اگر زندگی میں میری منقولہ یا غیر منقولہ جائداد میں کمی بیشی ہو ۔ تو اس کے مطابق حصہ وصیت ادا کیا کرونگا ۔ نیز اس امر کی احتیاط کے لئے میری وفات کے بعد صدر انجمن احمدیہ قادیان کو میرے غیر احمدی اقرباء سے مکان کا حصہ وصول کرنے میں تکلیف نہ ہو ۔ اقرار کرتا ہوں ۔ کہ اپنی ماہوار آمد کے حصہ وصیت کے ساتھ مکان کے حصہ کی قیمت بھی ادا کرتا رہونگا ۔ تاکہ اس کا حساب بے باقی ہو ۔

العبد :- علی محمد مدرس گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ ساکن موماں ڈاک خانہ اگوکی ضلع سیالکوٹ ۸/۳۲-۲۳ گواہ شد :- قاضی فضل الٰہی قریشی ولد قاضی شہاب الدین صاحب ساکن گوجرانوالہ سیکرٹری تبلیغ انجمن احمدیہ گوجرانوالہ ۸/۳۲-۲۳

گواہ شد :- غلام قادر ولد شیخ جھنڈو صاحب تاجر چرم ساکن گوجرانوالہ نائب مہتمم تبلیغ و سیکرٹری امور عامہ ۸/۳۲-۲۳

۳۹۷۹ :- منکہ محمد دین ولد حسن محمد قوم منہاس پیشہ ٹھیکیدار بھٹہ عمر چالیس سال تاریخ بیعت فروری ۱۹۱۲ء پڑاڈ لالہ موسیٰ ڈاک خانہ لالہ موسیٰ تحصیل کھاریاں ۔ ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۶/۳۲-۱۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔

میری جائداد حسب ذیل ہے ۔ ایک مکان پختہ جو چوہدری عمر بخش صاحب احمدی ولد لال خان قوم گوجر سکنہ ڈیرہ وال کے ساتھ مشترک ہے ۔ جس کی قیمت اٹھارہ سو روپیہ ہے ۔ نصف حصہ کا میں مالک ہوں ۔ دوسرا مکان پختہ بلا شراکت غیرے پڑاڈ لالہ موسیٰ میں متصل جامعہ مسجد اہل سنت و الجماعت کے ہے ۔ جس کی قیمت تخمیناً چھ صد روپیہ ہے ۔ اور تیسرا مکان خام موضع چکوڑی شیر غازی میں ہے جس کی قیمت تخمیناً یکصد روپیہ ہے اور نقد روپیہ جو بھٹہ پر لگا ہوا ہے ۔ مبلغ دو ہزار روپیہ ہے ۔ اس کے سوا میرے والدین حیات ہیں ۔ جن کے قبضہ میں مزروعہ اراضی موروث وغیرہ کی ہے ۔ اور مکانات وغیرہ مشترکہ بھائیوں کے شامل ہیں ۔ ان سب کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت میں بحق صدر انجمن احمدیہ کرتا ہوں ۔ لیکن میرا گذارہ کاروبار بھٹہ پر ہے اس کی آمد کا ۱/۱۰ حصہ بھی میں تازیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا میری وفات کے بعد جس قدر میری جائداد ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ خواہ وہ جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ہو میرے ورثاء کو کسی قسم کا حق نہیں ہوگا ۔ کہ وہ ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دینے میں روک ڈالیں ۔ بلکہ صدر انجمن احمدیہ کو اختیار ہے ۔ کہ جس طرح چاہے ۔ وصول کرے ۔ اور اگر کوئی رقم میں اپنی زندگی میں دونگا ۔ تو اس کی باقاعدہ رسید صدر انجمن احمدیہ سے لونگا ۔ جو باقی سے منہا کی جائے گی فقط نوٹ اراضی مزروعہ دو گھماؤں ہے ۔

العبد :- محمد الدین ولد حسن محمد قوم منہاس ساکن پڑاڈ لالہ موسیٰ بقلم خود ۔ گواہ شد :- محمد بخش احمدی ولد لعل خاں قوم گوجر ڈیرہ وال تحصیل کھاریاں ضلع گجرات ۔ گواہ شد :- حکیم محمد قاسم ولد غلام نبی قوم قریشی اپیشا نویل کلرک سکنہ لالہ موسیٰ جنرل سیکرٹری انجمن احمدیہ لالہ موسیٰ بقلم خود

۴۰۰۸ :- میں محمد حسین ولد نقو قوم سادل پیشہ حکمت عمر ۴۳ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۶ء ساکن اوڑ ڈاک خانہ خاص تحصیل نواں شہر ضلع جالندھر ۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔

میری جائداد ایک مکان پختہ دو منزلہ دو مرلہ قیمتی پندرہ سو روپیہ واقعہ آبادی اوڑ محلہ راولاں شمال علی عرف ٹریا ۔ جنوب بوچھا سنگھ دیھو گو مغرب بوچھا سنگھ دیھو گو مشرق راستہ عام نیز ایک سفید تو ڑ آٹھ مرلہ قیمتی دو صد روپیہ واقعہ آبادی اوڑ شمال کھیت بھورام حجام جنوب شیر محمد غرب راستہ عام مشرق بھورام حجام ان کی نسبت میں وصیت کرتا ہوں ۔ کہ میرے مرنے کے بعد ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اگر میں اپنی زندگی میں اس کا جزو یا کل ادا کر دوں ۔ تو وہ اس سے منہا سمجھا جائیگا ۔ اگر میرے مرنے پر علاوہ اس جائداد کے کوئی اور جائداد ثابت ہو ۔ تو اس کی نسبت بھی میں یہی وصیت کرتا ہوں ۔ کہ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اور میرے کسی وارث کو اس کے خلاف دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا ۔ یعنی میرے وارث بھی اس میری وصیت کے پابند ہونگے ۔ نیز میں سفر پر جایا کرتا ہوں ۔ میری جو آمدنی ہوگی ۔ اس کا ۱/۱۰ حصہ میں تازیست صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بھیجتا رہونگا ۔

العبد :- بقلم خود حکیم محمد حسین احمدی قصبہ اوڑ ضلع جالندھر
گواہ شد :- حاجی رحمت اللہ سکنہ راہوں بقلم خود ۔
گواہ شد :- حاجی غلام احمد سکنہ کریام بقلم خود ۔
گواہ شد :- بقلم خود ۔ محمد ابراہیم بقاپوری واعظ

۳۹۹۲ :- میں سماۃ بخت بھری زوجہ ملک شیر بہادر خاں قوم اعوان عمر قریباً ۴۱ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۱ء ساکن ڈھوکڑی تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۶/۳۲-۱۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔

میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو ۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں ۔ تو ایسی رقم یا جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی ۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے ۔ زیورات تین صد روپیہ حق مہر تین صد روپیہ کل چھ صد روپیہ ۔ العبد :- بخت بھری ۔

گواہ شد :- عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان
گواہ شد :- ملک شیر بہادر خان خاوند موصیہ گرداور قانونگوئی حلقہ مٹھہ ٹوانہ تحصیل سرگودہا ۔

۳۹۷۸ :- منکہ شیخ احمد الدین ولد شیخ عبد اللہ قوم شیخ پیشہ تجارت عمر ۲۹ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۲ء ساکن انبالہ شہر ضلع انبالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج مورخہ ۵/۳۲-۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری جائداد حسب ذیل ہے میرے پاس اڑھائی ہزار روپیہ (۲۵۰۰) ہے ۔ جو کہ تجارت میں لگا ہوا ہے ۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں ۔ بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت پچیس روپیہ ماہوار ہے ۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں ۔ کہ میری جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو ۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کر دوں ۔ تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا ۔
العبد :- احمد دین بقلم خود ۔ گواہ شد :- شیخ غلام احمد بقلم خود ۔ گواہ شد :- شیخ عبد اللہ ولد الہ بخش بقلم خود

ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں

لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند نے ۲۹ر اگست کو شملہ میں ایک دعوت کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ میں سول نافرمانی کے خطرات سے بخوبی واقف ہوں۔ اور میری پالیسی یہی ہے کہ ایک طرف ہندوستان کو آئینی ترقی کی طرف چلایا جائے اور دوسری طرف اس تحریک کو دبایا اور ملک میں امن وامان قائم رکھا جائے۔ اور میں خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ میری یہ پالیسی کامیاب رہی ہے۔ اگر میری صحت نے اجازت دی۔ تو میں یہاں اپنے عہدہ کی میعاد پوری کرنا چاہتا ہوں۔ اور اپنی آنکھوں سے ہندوستان کو اصلاحات سے مستفید ہوتے دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔

کونسل آف سٹیٹ کے اجلاس میں ۲۸ر اگست کو ایک ممبر نے سوال کیا۔ کہ مسٹر دیوی داس گاندھی نے دہلی میں داخلہ کے وقت جب سیاسیات میں حصہ نہ لینے کا تحریری وعدہ کیا تھا۔ تو پھر انہیں گرفتار کیوں کیا گیا۔ ہوم سکرٹری نے جواب میں کہا۔ ان کی گذشتہ سرگرمیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چیف کمشنر اس وعدہ پر مطمئن نہیں تھے۔

سری نگر سے ۲۹ر اگست کی اطلاع مظہر ہے کہ گلگت کے علاقہ میں شیوک کے مقام پر تودۂ برف کے پھٹ جانے کی وجہ سے سخت خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دریائے سندھ میں ۵۵ فٹ پانی چڑھ گیا تھا۔

ریاست بھوپال کے انسپکٹر جنرل پولیس اور اخبار ریاست کے مدیر دیوان سنگھ کے مابین جو مقدمہ بازی ہو رہی تھی۔ اس کے سلسلہ میں دیوان سنگھ صاحب نے دہلی کی ایک عدالت میں درخواست دی تھی۔ کہ انسپکٹر جنرل مذکور کو دروغ حلفی اور غلط بیانات دینے کے الزام میں گرفتار کیا جائے۔ لیکن عدالت نے اس درخواست کو مسترد کر دیا ہے۔

برلن کی تازہ اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ نازیوں کے ماتحت جرمنی جنگ کی زبردست تیاریاں کر رہا ہے۔ ہر نوجوان کو بم بازی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ والنٹیر کور یں بنائی جا رہی ہیں بم باری سے محفوظ رہنے کے لئے زمین دوز مکان تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ حکم دیا گیا ہے کہ جن دروازوں کھڑکیوں یا عمارتوں کے دوسرے حصوں پر آگ جلدی اثر کر سکتی ہے۔ انہیں فوراً توڑ دیا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ نازیوں نے اس وقت اپنے اشتہا[ری]

مخالفوں کو جیلوں میں بند کر رکھا ہے۔ اور ان پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاتا۔

اسمبلی میں ۲۸ر اگست کو ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سر ہیگ نے بتایا کہ اس وقت انڈیمان میں کل ۳۴۷ قیدی ہیں۔ جن میں سے ۱۱۲ انقلاب پسند ہیں۔ نیز آپ نے بتایا کہ مشہور انقلاب پسند راش بہاری گھوش مقیم جاپان کی تصانیف کا داخلہ ہندوستان میں ممنوع ہے۔ کیونکہ ان میں باغیانہ مواد ہے۔ اور مصنف کی سرگرمیاں تاحال سخت قابل اعتراض ہیں۔

بھائی پرمانند نے انگلستان سے واپس آ کر ایک اخباری نمایندہ سے ۲۸ر اگست کو کہا۔ کہ ہمیں کمیونل ایوارڈ میں اپنے مفید مطلب ترامیم کرانے کے لئے اپنے تمام آئینی ذرائع استعمال میں لانے چاہئیں۔ اس طرح کامیابی نہ ہو سکی۔ تو پھر کوئی اور طریق سوچا جائے گا۔

جام نگر کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ جام نگر دوارکا ریلوے لائن کو بارش کی وجہ سے سخت نقصان پہنچا اور ایک پل ٹوٹ گیا تھا۔ جبکہ ایک طرف سے گاڑی آ رہی تھی۔ اور ڈرائیور خطرہ سے بالکل بے خبر تھا۔ ریلوے، قلیوں کی عورتوں نے لائن پر کھڑے ہو کر اور سرخ ساڑھی ہلا ہلا کر گاڑی کو کھڑا کر لیا۔ اور اس طرح خطرناک حادثہ سے بچا لیا۔ ان عورتوں کو انعام دینے کی تجویز ہو رہی ہے۔

نازی گورنمنٹ نے نشر صوت کے وہ تمام آلات ضبط کر لئے ہیں۔ جن پر روس سے براڈکاسٹ کی ہوئی تقریریں سنی جا سکتی ہیں۔

گاندھی جی کے متعلق پونہ سے ۲۸ر اگست کی خبر ہے کہ آپ ایک ہفتہ کے اندر اندر قریب مکمل صحت یاب ہو جائیں گے۔ تو وائسرائے کو خط لکھیں گے۔ جس میں غالباً پھر وہی ملاقات کی درخواست ہوگی۔

برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کی پنجاب برانچ کا سالانہ اجلاس ۲۷ر اگست کو شملہ میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت وائسرائے ہند نے کی۔ سکرٹری نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا کہ گذشتہ سال بائیبل کی ایک کروڑ جلدیں تقسیم کی گئی ہیں۔ اور ۷۲۷ مختلف زبانوں میں اس وقت تک بائیبل کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ماسٹر تارا سنگھ سکھ لیڈر کو ایک اطلاع کے مطابق پٹیالہ کے ایک رئیس نے سیاسی کام کرنے اور ایک روزانہ اخبار جاری کرنے کے لئے ۲۵ ہزار روپیہ دیا ہے۔

بنگال گورنمنٹ نے تعلیم یافتہ بیکاروں کی امداد کیلئے ایک سکول کھولا ہے۔ جس میں انہیں جوتے بنانے کی تعلیم چھ ماہ تک دی جائے گی۔

جمہوریہ فرانس کے صدر ایم ڈالڈیر نے ۲۸ر اگست کو پیرس میں ایک اخباری نمایندہ کو یہ اعلان کرنے کا اختیار دیا۔ کہ فرانس آخری دم تک آسٹریا کی آزادی کی حفاظت کرے گا۔

پنڈت جواہر لال۔ ۳۰ر اگست نینی جیل سے رہا کر دئے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل اپنی کار میں ان کو ان کے مکان پر چھوڑ گئے۔

وائسرائے ہند نے ۳۰ر اگست کو مجلس آئین ساز کے دونوں ایوانوں کے سامنے تقریر کی۔ اور کہا کہ جدید دستور اساسی کو جلد از جلد نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائیگی اور اس سے قبل ریزرو بنک کامیابی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیگا۔ آپ نے کہا کہ آج ہندوستان کی حالت پچھلے دنوں سے بہت اچھی ہے۔ سرحد پر کارروائی کسی طرح بھی بین الاقوامی قانون یا ضابطۂ انسانیت کی حدود سے متجاوز نہیں ہوئی۔ اور کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ ہمارا مقصد صرف قیام امن ہے۔ سول نافرمانی کے متعلق آپ نے کہا کہ عوام میں اس تحریک کو یقیناً ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی۔ سندھ کی علیحدگی کے متعلق آپ نے کہا کہ موسم سرما کے شروع میں اس سوال پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے گی۔

ہندوستان کے بیکاروں کی تعداد کا اندازہ چار کروڑ کیا گیا ہے۔ جبکہ یورپ اور امریکہ کے بیکاروں کی مجموعی تعداد تین کروڑ کیا جاتا ہے۔ روس میں ایک شخص بھی بیکار نہیں۔

شملہ سے ۳۰ر اگست کی خبر ہے کہ علاقہ سرحد میں غلانائی تک سڑک مکمل ہو گئی ہے۔ چنانچہ ۲۸ء کالم جو انجنیری کے خاص ذخائر لئے جا رہا تھا۔ وہ غلانائی پہونچ گیا ہے۔ اور اس نے علاقہ غنیم کے حالات کا کامیابی سے جائزہ لیا۔

میونخ سے ۳۰ر اگست کی خبر ہے کہ نازیوں کی ایک پارٹی آسٹرین فوج کی وردی میں ملبوس ہو کر انسبرگ کے جیل خانہ پر حملہ آور ہوئی اور اپنے ایک لیڈر کو جو وہاں محبوس تھا۔ بہ جبر رہا کر کے لے گئی۔ ان پر گولیوں کی بارش کی گئی۔ مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ آسٹرین حکومت نے ستر نازیوں کو بطور یرغمال گرفتار کر لیا ہے۔

میمن سنگھ کی ایک مسلم نوجوان خاتون اور اس کے خاوند پر ایک شخص کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا۔ ملزمہ نے کہا کہ مقتول میرے خاوند کی عدم موجودگی میں بد ارادہ سے میرے ہاں آیا۔ اس پر میں نے بانس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ عدالت نے

عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر۔ غلام نبی